آیت اللہ شہید بہشتی و شہید باہنر

توحید شناسی اور جہاں شناسی توحیدی

خدائے مہربان:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی تمام مخلوقات پر بے حد مہربان اور رحم وکرم کرنے والا ہے۔ اس نے سب کو بے شمار نعمتیں عنایت کی ہیں اور اچھی زندگی گزارنے کے لئے مختلف النوع وسائل وامکانات ہمارے اختیار میں دیے ہیں۔ وہ معاف کرنے والا اور سب کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اگر انسان گناہ اور فسق وفجور کی زندگی چھوڑ کر پاکیزگی اور بھلائی کی جانب پلٹے تو وہ اس شخص پر واپسی کا راستہ بند نہیں کرتا بلکہ اس کی توبہ اور رجعت کو قبول فرماتا ہے مگر اس کے لیے شرط اتنی ہے کہ وہ شخص صدق دل سے خطا اور گناہ کا راستہ چھوڑ کر پاکیزگی اور نیکی کی جانب ہمہ تن متوجہ ہوگیا ہو۔

خدائے قہار:

اس کارخانہ ہستی میں خدائے بزرگ کی مہربانی اور رحمت کی لامحدود و بے حساب نشانیاں جگہ جگہ پھیلی ہوئی ہیں اور دوسری مخلوقات کی ہی طرح انسان بھی اس لامحدود رحمت سے بہرہ ور ہی نہیں بلکہ اس بارے میں ایک امتیازی حیثیت حامل ہے اور وہ امتیازی حیثیت ایک مخصوص نعمت کی وجہ سے ہے جو اسے عطا ہوئی ہے اور یہ نعمت اس کا صاحب اختیار ہونا

ہے، وہ اپنے اختیار اور علم کے ذریعے بھلائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے اور پھر ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتا ہے۔ اس انتخاب سے منسلک سمجھ بوجھ پر مبنی اختیار کی صورت یہ ہے کہ انسان کے افعال کا کم از کم ایک حصہ پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور پسندیدہ کام کرنے کی صلاحیت اس کے لیے شادمانی، انعام اور ثواب کا موجب ہو اور ناپسندیدہ کام کرنے کی صلاحیت اس کے لیے دردناک اور تکلیف دہ ہو اور عذاب الیم اور سزا کا موجب بنے۔

پسندیدہ اور لائق ثواب اوصاف سے عارض ہونے اور ناپسندیدہ اور قابل عذاب اوصاف سے دوچار ہونے کے سلسلے میں جو پریشانی اور فکر انسان کو لاحق ہوتی ہے وہ اسے اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسا انسان بنائے جو ثواب کے لائق ہو اور عذاب سے بچ جائے۔ انسان میں اس خوف اور پریشانی کی ایجاد بجائے خود خدائے تعالیٰ کی رحمت ہے۔ ایک ایسی رحمت جس کے ساتھ ناشکر گزار لوگوں کے لئے خداوند عالم کی جانب سے سزاوار اس کا غضب پیوستہ ہے۔

اسی بنا پر قرآن مجید اس سلسلے میں بار بار خدائے تعالیٰ کے غضب کا ذکر کرتا ہے (اس غضب کا جو سرکشوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے) اور سرکش لوگوں کے لئے عذاب الیم اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے سخت سزا کی خبر دیتا ہے۔

انصاف کرنے والا خدا:

خدائے تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ہمیشہ ہم سے یہی چاہتا ہے کہ ہمارے بھی کاموں کی بنیاد عدل و انصاف پر ہو۔ اس دنیا میں اس نے ہر چیز کو ہستی کے محکم نظام کی ضروریات کے مطابق تخلیق فرمایا ہے اور اس دنیا کی ہر چیز ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور ایک دوسرے کو مکمل کرنے والی ہے۔ جہاں تک دوسری دنیا کا تعلق ہے اس نے نیکوکار کے لئے انعام اور گناہ گار کے لئے سزا کو عمل اور ردعمل کے مضبوط نظام کے چوکھٹے میں قرار دیا ہے۔ اس دنیا

میں ہر شخص وہی کاٹے گا جو اس نے اس دنیا میں بویا ہوگا اور اپنے آپ کو اس انسانی شخصیت کا حامل پائے گا جو اس نے دنیا میں اپنے لیے تعمیری کی ہوگی۔ جو کڑواہٹ اور مٹھاس اسے دوسری دنیا میں ملے گی وہ اس کے اس دنیا میں کئے ہوئے کاموں کا پھل ہوگا جو اسے پورا کا پورا بے کم وکاست مل جائے گا اور اس بارے میں اس پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ ہر انسان کا ابدی مستقبل خود اس کی کوشش پر منحصر ہے۔ اس کوشش پر جو وہ اپنی تعمیر کے سلسلے میں کرتا ہے خواہ وہ تعمیر سیدھی ہو یا کج ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اس کوشش پر جو انسان ماحول کی تخلیق کے لئے کرتا ہے تا کہ اپنی اور دوسروں کی اچھی زندگی کے لئے فطری اور اجتماعی حالات پیدا کر کے اپنی تعمیر کے لئے بہتر طور پر راہ ہموار کر سکے۔

یہ ہے ایک مختصر خاکہ قرآن مجید کی خدا شناسی کا اور اس سوجھ بوجھ کا جو اس کتاب الٰہی نے خدائے خالق کے بارے میں ہمیں عطا کی ہے۔ یہ ایسی سوجھ بوجھ ہے جس کی تصدیق وحی الٰہی سے ہوئی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ان معلومات پر بھی تکیہ کرتی ہے جو انسان خدائے تعالیٰ کے بارے میں نشانیوں اور اس کے ناموں اور صفات میں تدبر کر کے حاصل کر سکتا ہے۔ ایک ایسی سوجھ بوجھ جو معرفت کے پیاسے کو حتی الامکان وکم وبیش سیراب کر دیتی ہے اور میدان عمل میں بھی کام آتی ہے اور ہمیں اپنے اس سب سے بڑے مسئلے کے حل میں بھی مدد دیتی ہے جس سے ہم دوچار ہیں اور وہ یہ کہ ''زندگی کو کیا رخ دیا جائے۔'' اس خدا شناسی سے حسن فہم حاصل کر کے جب ہم بڑھتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جس شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو اس کی زندگی سراسر جوش اور خوشی، امید اور کوشش اور توانائی اور کارگزاری سے عبارت ہوتی ہے اور دوسرے انسانوں سے اسکے تعلقات ہمیشہ اس کی اپنی فکری اور عملی آزادی کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسروں سے اشتراک کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی فکری اور عملی آزادی کا احترام کرنے پر استوار ہوتے ہیں۔ جس شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو وہ کسی کی غلامی اختیار نہیں کرتا اور نہ ہی وہ دوسروں کو اپنا غلام بنانے کا کوئی منصوبہ بناتا ہے۔

وہ ایک ایسا آزاد شخص ہوتا ہے جو دوسروں کی آزادی بھی چاہتا ہے اور ایسا پاک انسان ہوتا ہے جو دوسروں کو بھی پاک وپاکیزہ دیکھنے کا خواہاں ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی ہوس یا غصے کا تابع بھی نہیں ہوتا۔ وہ سچائی کا غلام ہوتا ہے جہاں سچائی دیکھتا ہے اسی جانب بڑھتا ہے اور جہاں کوئی چیز ناحق دیکھتا ہے ادھر سے منہ موڑ لیتا ہے۔ وہ ہمیشہ سچائی کا حامی اور جھوٹ سے برسر پیکار رہتا ہے۔

الٰہی آفاقیت کا کردار:

مادی بصیرت، دنیا اور انسان کو فقط مادی، فطری اور محسوس پہلوؤں سے دیکھتی ہے۔ وہ اس دنیا سے ماورا، کسی خالق یا منتظم کی موجودگی کا اعتراف نہیں کرتی اور معاشرے کی ضروریات اور انسانی وجود کے حجم کو فطری ضروریات کے احاطے میں محصور کردیتی ہے۔ اسکے علاوہ وہ انسانی زندگی کو اسی دنیا کے چوکھٹے میں محدود سمجھتی ہے۔ وہ یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس دنیا کا انتظام کوئی باشعور ہستی چلا رہی ہے یا اس مادی زندگی کے علاوہ انسان کی کوئی اور ضروریات اور دلچسپیاں بھی ہیں۔ یا یہ کہ موجودہ دنیا کے بعد کسی دوسری دنیا کا وجود بھی ہے۔ لہٰذا اگر وہ انسانی زندگی کے لیے کسی پروگرام یا مقصد کی نشاندہی کرتی ہے تو وہ بھی اسی مادی دنیا تک محدود ہوتا ہے۔

اس کے برعکس جہاں تک الٰہی جہاں بینی اور آفاقیت کا تعلق ہے وہ ایک حکیم، قوی، صاحب تدبیر، دیکھنے اور سننے والے اور مہربان پروردگار کو فطری روابط اور عوامل کا حاکم سمجھتی ہے اور دنیا کو اس کی قلمرو خیال کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام فطری قوانین کا اعتراف بھی کرتی ہے اور دنیا کے نظم وضبط کو قبول کرتی ہے۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو ان تمام قوانین اور عوامل پر حاوی سمجھتی ہے اور تمام علمی قوانین اور روابط کو تخلیق کا طریق کار اور خدا کی مخلوق سمجھتی ہے۔ اسی خدا کی مخلوق جو فیض، رحمت، حکمت مہربانی اور عدالت کا سرچشمہ ہے۔

یوں تو ایک خدا شناس انسان اپنے آپ کو ایک تاریک اور بے مقصد دنیا میں نہیں

بلکہ ایک آگاہ، ہدایت یافتہ اور عدل پر مبنی دنیا میں پاتا ہے اور ایسے ایما کے ساتھ خدا کو اپنے ساتھ دیکھتا ہے۔ اس خدا کے ساتھ جو ایک ایسا مضبوط سہارا، قوت اور حرکت کا سرچشمہ اور روح پرور مددگار ہے جو انسان ترقی کی راہیں کھول دیتا ہے۔

الٰہی جہاں بینی وآفاقیت کے لیے انسان کی طبیعی حاجتوں اور انہیں پورا کرنے کی ضرورت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی روحانی ضروریات کا خیال بھی رکھتی ہے۔

انسان کی روحانی ضروریات میں روح کی بلند پروازی، دل کی صفائی، سچائی سے لگاؤ، کمال کی خواہش، پاکیزگی سے تعلق، محبت، آزاد منشی، قربانی کا جذبہ اور بالآخر انسانیت شامل ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کا موجودہ دور میں بڑی شدت سے خلا محسوس کیا جارہا ہے۔ صنعتی معاشرے اپنے آپ کو ان صفات سے عاری پاتے ہیں اور ان کے فقدان سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے بے حد محسوس کرتے ہیں اور اکثر اپنی پیاس سطحی طور پر بجھاتے ہیں اور مغرب کے نئے عرفان کے سانچے میں زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ الٰہی آفاقیت فقط معنویت، عرفان اور اخلاقی ضروریات ہی نہیں بلکہ یہ انسان کی طرف ہمہ جہتی توجہ کا نام ہے جس میں اس کی مادی اور معنوی ضروریات شامل ہیں۔ مختصراً یہ کہ الٰہی جہاں بینی سے مراد انسان کو اس کے ہمہ جہتی کمال کے حصول کی راہ پر چلانا ہے۔

وسیع اور دوم مرحلہ زندگی:

الٰہی جہاں بینی کی بدولت پتہ چلتا ہے کہ انسان کی زندگی وسیع اور پائیدار ہے اور اس دنیا میں گزارے ہوئے فقط چند برسوں تک ہی محدود نہیں چنانچہ انسان کو قطعی طور پر بتایا گیا ہے کہ تو ایک ہمیشہ رہنے والی چیز ہے اور موت کی وجہ سے تیرے فنا ہوجانے کا کوئی سوال نہیں بلکہ تو اپنی زندگی ایک دوسری دنیا میں دوبارہ شروع کریگا۔ اس دنیا میں ہر چیز بیشتر شدت، خلوص اور وسعت کے ساتھ جلوہ گر ہوگی اور جہاں وسیع اور جاودانی لذتیں اور کامیابیاں اپنے

اوج کمال پر ہوں گی اور دوسری طرف اس زندگی میں مصائب آلام اور محرومیاں بھی شدید ہوں گی۔

الٰہی آفاقیت اسے یہ بھی بتاتی ہے کہ اے انسان ! تو جو شروع سے ہی ہر چیز سے زیادہ اپنے فائدے کے متعلق سوچتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ تکلیفوں اور محرومیوں سے نجات حاصل کرے اور لذت ، خوشی اور کامیابی سے ہمکنار ہو۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ آئندہ آنے والی زندگی میں لذت اور تکلیف ، خوش نصیبی اور کامیابی اور ناکامی زیادہ خالص اور زیادہ وسیع شکل میں ظہور پذیر ہوں گی اور اس آئندہ زندگی کا تمام تر دارومدار تیری موجودہ زندگی پر ہوگا اور اس دنیا میں تو جو کچھ کرتا ہے وہاں اسی کا ردعمل ہوگا۔

جو ذی شعور انسان اپنے کام کے حاصل کے بارے میں سوچتا ہے اور جس کی ہر کوشش نپی تلی اور کسی مقصد کے حصول کے خاطر ہوتی ہے اسے اپنی کوشش کے نتائج سے بخوبی آگاہ ہونا چاہئے اور اگر اسے پتہ چل جائے کہ ایک کام نہ فقط یہ کہ اسے محرومی سے نجات نہیں دلاتا بلکہ اسے محروم کردیتا ہے یا نہ فقط یہ کہ ایک عمل اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا بلکہ اسے نقصان سے دوچار کردیتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے طریق کار پر نظر ثانی کرے۔

نتیجہ:

اس طرح الٰہی آفاقیت و جہاں بینی میں انسان اپنی ذات کے خول میں ہی بند نہیں رہتا بلکہ اس کا ہدف خدا اور خدا کی مخلوق ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ فقط اپنی مادی ضروریات ہی کے بارے میں نہیں سوچتا بلکہ مادی دلکشیوں اور روحانی ضروریات دونوں کے متعلق غور کرتا ہے۔ وہ فقط موجود زندگی کی ضروریات اور اس زندگی میں کی گئی کوششوں کے مثبت اور منفی اثرات پر ہی غور نہیں کرتا بلکہ اس دنیا کی خوش نصیبی اور آخرت کی سعادت کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور دونوں دنیاؤں کی پریشانی اور تکلیف سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

یقیناً دینی جہاں بینی و آفاقیت اسی لائحہ عمل کے ساتھ انسان کو آگے بڑھاتی ہے۔

دین پر ایمان کے روحانی اور عملی اثرات:

دین پر ایمان رکھنے کے نتیجے میں انسان اپنے اندر ایک طاقت سی محسوس کرتا ہے۔ وہ زیادہ خلوص اور پاکیزگی کے ساتھ خدمت کے کام میں لگ جاتا ہے اور اپنے مقصد کے حصول کی خاطر برے وسائل جیسے بھیک، رذالت، اور خوشامد وغیرہ کا سہارا نہیں لیتا۔ اگر اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اسے تکلیف اٹھانی پڑے یا کسی فائدے سے ہاتھ دھونا پڑے تو اس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی۔

وہ انسان اور انسانیت سے دل وجان سے محبت کرتا ہے اور ان کی بھلائی کے بارے میں سوچتا ہے اور جن لوگوں کا طرز فکر اسی جیسا ہو ان کے ساتھ ایک قلبی تعلق محسوس کرتا ہے۔ جب وہ معاشرے کی بہتری کے لیے کوشش کرتا ہے اور دوسروں کی خدمت کرتا ہے تو اسے خوشی حاصل ہوتی ہے۔

وہ اپنے آپ کو اپنے مقصد میں غرق پاتا ہے اور خودغرض، قریبی اور لالچی لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا اور نہ ہی کوئی ایسی کوشش کرتا ہے جس سے ان لوگوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔ نتیجے کے طور پر اس کے اندر زیادہ صراحت، قاطعیت اور رواداری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

بلاشبہ جو شخص صدق دل سے خدا کی پرستش کرتا ہو اس کے دل میں بنی نوع کی بہتری اور نجات کا زیادہ سے زیادہ خیال رہتا ہے اور وہ اس راستے میں زیادہ ایثار سے کام لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے دوسری دنیا میں اپنے معمولی سے معمولی کام کی بھی بہت زیادہ جزا کی توقع ہوتی ہے۔ اور وہ اس دنیا میں بھی اپنی تمام کوششوں کو ردعمل کے قانون کے تابع سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسے اپنی جان بھی قربان کرنی پڑے تو وہ اپنے آپ کو گھاٹے میں نہیں سمجھتا کیونکہ موت کے نتیجے میں وہ ہر چیز حاصل کر لیتا ہے اور زندہ کامیاب اور خوش نصیب ہوتا ہے۔ اگر وہ معاشرے کی بہتری کی خاطر رقم خرچ کرتا ہے تو اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ وہ بہت سی چیزیں حاصل کر لیتا ہے کیونکہ ایک تو وہ

اپنے ایمان اور مرضی کے مطابق قدم اٹھاتا ہے اور اس کی جزا بھی اسے ملے گی اور دوسری بات یہ ہے کہ معاشرے کی جو خدمت وہ بجالاتا ہے اس سے معاشرے کی بھلائی ہوتی ہے اور معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے اسے خود بھی فائدہ ہوتا ہے۔

اور بالآخر اگر وہ مثبت اور اصولی طور پر اپنی قوت، دماغ، تدبیر، کوشش، علم، یا دولت خدا کی راہ میں اور خلق خدا کی بہتری کے لیے صرف کرتا ہے تو یہ اس کے ایمان کی راہ میں اور خود اس کے لئے دونوں جہاں میں ایک تعمیری، امید افزا اور فائدہ مند چیز ہے۔

اگر ہم ایسے انسان کو کسی خودغرض اور مادہ پرست انسان کے بالمقابل کھڑا کریں تو اس مقابلے کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانی معاشرے کی ہمہ گیر ترقی کے لئے کس قسم کے افراد کی ضرورت ہے؟ کیا ایسے لوگوں کی جو خود بین ہوں یا ایسے لوگوں کی جو خدا کی معرفت رکھتے ہوں؟ کیا ایسے اشخاص کی جنہیں اپنے فائدے ہی کی فکر ہو یا ایسے افراد کی جنہیں خدا کی تلاش بھی ہو؟

اسلام کا تصور انسان:

اسلامی آفاقیت وجہاں بینی کے مختلف حصے ہیں۔ ان میں سب سے پرکشش حصہ وہ ہے جس کا تعلق انسان سے ہے۔ قرآن مجید اس اشرف مخلوق کے بارے میں اپنا ایک مخصوص نظریہ رکھتا ہے۔ اس مقدس کتاب کے نقطہ نگاہ سے انسان محض ایک ایسا فطری مخلوق وموجود نہیں ہے جسے دوسرے فطری موجودات کی طرح ایک معین سانچے میں ڈھال کر ایک مخصوص مدار میں ڈال دیا گیا ہو اور وہ یہ قدرت نہ رکھتا ہو کہ وہ اس مدار سے سرمو انحراف کر سکے۔

صاحب اختیار وانتخاب:

قرآن مجید کے مطابق انسان ایک ایسا مخلوق وموجود ہے جسے خود سازی یعنی اپنی تعمیر خود کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ایک ایسا موجود جو "نقش الٰہی، یعنی خلیفہ الٰہی

ہونے اور خدائی قدرت کے حامل ہونے کا رتبہ رکھتا ہے۔لہٰذا وہ ایک ایسا موجود ہے جو نصف مادے پر اور نصف الوہیت پر مشتمل ہے یا خود قرآن مجید کی وضاحت کے مطابق ایک ایسا خاکی موجود ہے جس میں روح الٰہی پھونکی گئی ہے۔ خیر وشر کی سمتوں میں چلنے والی کوناکوں صلاحیتیں اس کے وجود میں ملا دی گئی ہیں اور خود اسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ اپنے راستے کا انتخاب کرلے۔

"ہم نے انسان کو مختلف اور پراگندہ عناصر سے مرکب قطرے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں۔ ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا اور اس کو راستہ بھی دکھادیا اب وہ خواہ شکرگزار ہو یا ناشکرگزار۔" (سورہ دھر آیات ۲۔۳)

انسان کی علمی استعداد:

جن موجودات کے حالات سے ہم واقفیت رکھتے ہیں ان میں سے انسان سب سے زیادہ علمی استعداد رکھتا ہے یہاں تک کہ علم حاصل کرنے کی معاملے میں وہ فرشتوں پر بھی سبقت لے گیا ہے۔ پہلے انسان نے اپنی پیدائش کے آغاز میں ہی وہ چیزیں سیکھ لی تھیں جن سے فرشتے نابلد تھے۔" خدا نے آدم کو سب (چیزوں کے نام) نام سکھادیئے۔ پھر انہیں فرشتوں کے سامنے لایا اور کہا: اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو (کہ تم انسان سے برتر ہو) تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔فرشتوں نے کہا: تو ہر عیب سے پاک وپاکیزہ ہے ہم تو جو کچھ تو نے بتایا ہے اس کے سوا کچھ نہیں جانتے ہیں۔ تو بڑا جاننے والا مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے (اس وقت خدا نے آدم کو) حکم دیا کہ اے آدم تم انہیں ان سب موجودات کے نام بتادو۔" (سورہ البقرہ۔ آیات ۳۱۔۳۲)

انسان کا بلند مقام:

ایک بہت وسیع دائرے میں علم کے حصول پر قدرت حاصل ہونا اور ساتھ ہی ساتھ بے شمار عملی اور اجرائی قوتیں میسر ہونا اور اپنے راستے اور مرضی کی سمت کے انتخاب پر قادر ہونا

ایک بہت بڑا امتیاز ہے جو خدا نے انسان کو بخشا ہے اور اس طرح اسے اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزوں پر برتری عطا کی ہے۔

"ہم نے انسانوں کو بلند مقام عطا کیا۔ خشکی اور سمندر میں سواری کے وسیلے ان کے اختیار میں دیئے۔ اچھی اور پاکیزہ چیزیں ان کی دسترس میں دیں اور انہیں اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں پر برتری بخشی۔" (سورہ بنی اسرائیل: آیت ۷۰)

حاملِ امانت:

جو خاص قوتیں انسان کو عطا کی گئی ہیں ان کا ذکر سورہ احزاب کی ۷۲ ویں آیت میں ایک ایسی امانت کے عنوان سے کیا گیا ہے جو بہت قیمتی اور عظیم ذمہ داری کی حامل ہے اور جو فقط انسان کے لائق ہے۔ صرف انسان ہی ہے جس نے اس امانت کا بوجھ اٹھایا ورنہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اپنی تمام تر عظمت کے باوجود اپنے آپ میں اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے کی قوت نہیں پائی اور اسے قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی۔

"ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کی تو انہوں نے اس کا بار اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے لیکن انسان نے اسے اٹھالیا۔"

انسانی تشخص:

آدمی کی انسانی شخصیت کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ خدا کی اس عظیم اور بیش قیمت امانت یعنی اپنی پسند کے راستے کے امکان کی حفاظت کرے۔ اسکی سعادت اس میں ہے کہ وہ اس نیک امکان سے استفادہ کرے۔ انسانی معاشرہ بھی فقط اسی وقت تک انسانی معاشرہ ہے جب تک ہر انسان کو اپنی زندگی کے لیے بہترین راستے کا انتخاب کرنے کی آزادی ہو۔ وہ خود سوچے۔ خود جانچے اور خود انتخاب کرے۔ نہ یہ کہ اس کی صورت ایک ایسے جسامت رکھنے والے موجود کی ہو جو اس طرح سوچے جیسے دوسرے چاہیں اور اس راہ پر چلے اور وہ کام کرے اور اس طرح زندگی بسر کرے جسے دوسرے اس کے لیے تجویز کریں۔ اگر ایسا ہو تو پھر وہ انسان

ایک ''شخص'' نہیں بلکہ ''شئی'' ہے یعنی ایک ایسا موجود ہے جس کا نہ کوئی اپنا ارادہ ہے اور نہ مستقل شخصیت وہ ایک ایسا انسان نہیں جو صاحب ارادہ ہو اور جس نے ایسے کام کا انتخاب کیا ہو جسے وہ اپنے لیے درست سمجھتا ہو بلکہ وہ دوسروں کے کام اور دوسروں کے ارادے کا پیرو ہے۔

وہ سب سے بڑی اور جانکاہ کمی اور وہ سب سے زیادہ دردناک تحقیر جس کا تختۂ مشق انسان دور حاضر کی زرق برق مشینی زندگی میں بنا ہوا ہے یہ ہے کہ وہ اعلانیہ انسانیت سے خارج ہوگیا ہے اور کوکوں عجیب وغریب اور دیو پیکر مشینوں کا بے مایہ ضمیمہ بن کر رہ گیا ہے وہ ایک ایسا ضمیمہ ہے جس کا رتبہ بیشتر صورتوں میں یہاں تک کہ اس کے کام کی اجرت اور اقتصادی قدر وقیمت کے لحاظ سے بھی اس مشین سے کم ہے جو اس کے پہلو میں نصب کی گئی ہے۔ انسان کی شخصیت مسخ کرنے کے لیے مادی اور جبری فلسفوں نے دوسرے عوامل سے کہیں بڑھ کر ارادہ کیا ہے لیکن اس خداداد امانت نے جو انسان کی روح کی گہرائیوں میں ودیعت کی گئی ہے بالآخر اپنا کام کیا ہے اور ہمارے زمانے کے انسان کو ہوش دلا دیا ہے اور وہ پھر ایک مرتبہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا ہے تاکہ مشینوں کی غلامی کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکے اور اسی نیم خواب بیداری کی حالت میں وہ ایک ایسے مکتب کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا ہے جو اسے اتنا خوار وحقیر نہ سمجھے اور اس کی انسانیت اور بزرگی اسے لوٹا دے اور اسے ایسا فکری اور اجتماعی نظام پیش کرے جو فی الواقع اس کے بہتر انسان بننے میں معاون ومددگار ثابت ہو۔

انسان کو ''خود پرستی'' کے بندھن سے رہائی دلانا:

اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسان کے اس تنگ کوچہ سے رہائی پانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ ''خود پرستی'' کے بندھن سے آزاد ہوکر خدا پرست بن جائے۔ جو انسان فقط اپنی مادی خواہشات کے بارے میں سوچے اور اس کے تمام تر جوش وخروش کا منتہائے مقصود یہ ہو کہ اچھا کھائے اور اچھا پیئے اچھا پہنے، اپنی جنسی خواہشات کو بہتر طور پر پورا کرے اور اچھی سے اچھی اور زیادہ سے زیادہ تفریحات میں سرگرم رہے یا دن رات رتبے اور شہرت کے حصول کی

کوششوں میں مگن رہے وہ آزاد انسان ہرگز نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ باقی سب چیزوں سے زیادہ اپنی انہی ہوسنا کیوں کا غلام بنا رہتا ہے اور یہی خواہشات ہیں جو اسے دوسروں کا غلام بنانے کے لئے ایک جال کا کام کرتی ہیں۔ یعنی وہ دوسرے لوگ اس کی ان خواہشات اور ہوسنا کیوں کو پورا کرنے کے لیے وسائل فراہم کرتے ہیں اور پھر اس کی پشت پر سوار ہو جاتے ہیں اور اسے جس سمت میں چاہیں چلاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ خدا دوست بن جائے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھے اور اسکی خوشنودی کو ہر چیز سے مقدم سمجھے تو وہ اپنی دوسری تمام خواہشات کو کنٹرول کر سکے گا اور انہیں پورا کرنے کے لیے اعتدال کی حد میں رہے گا کہ وہ اسے اپنا اسیر نہ بنالیں اور انسانی کمال کے حصول کے لیے کوشش کرنے کی جو آزادی اسے حاصل ہے اس کو سلب نہ کرلیں اور اسے خدائے تعالیٰ کو یاد کرنے اور اس کی رضا طلب کرنے سے باز نہ رکھیں۔ اس قسم کا انسان بوقت ضرورت حق کی راہ میں اپنی تمام خواہشات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ خداوند متعال کی رضا حاصل کرے۔ اسی خدائے تعالیٰ کی رضا جس کی خوشنودی اس کی اپنی تمام خواہشات سے بڑھ کر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جو اس کی خواہشات کو کنٹرول کرنے کی جزا عالم جاودانی میں بہتر خالص تر صورت میں دے گا۔

" انسانوں کی نظر میں محبت کے قابل چیزوں مثلاً بیویوں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیروں، عمدہ گھوڑوں، چوپایوں اور کھیتوں سے محبت اور الفت سج دھج کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کے چند روزہ فائدے ہیں اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو خدا کے یہاں ہی ہے (اے رسول) ان لوگوں سے کہو کہ کیا میں تم کو ان سب چیزوں سے بہتر بتادوں۔ اچھا سنو جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی ان کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں بہشت کے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور اس کے علاوہ ان کے لیے صاف ستھری بیبیاں ہیں اور (سب سے بڑھ کر تو) خدا کی

خوشنودی ہے اور خدا اپنے ان بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے جو یہ دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے ہم تو بلا تامل ایمان لائے ہیں۔ پس تو بھی ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ یہ لوگ جو کہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے اور خدا کے احکام پر عمل کرنے والے ہیں خدا کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور رات کے پچھلے پہر خدا کی تعریف کرتے اور توبہ واستغار کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں'' (سورہ آل عمران۔ آیات ۱۴ تا ۱۷)

فطرت کے حکم کے مطابق ایک با ایمان انسان دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان تمام خواہشات سے تعلق رکھتا ہے لیکن جس چیز کی اہمیت اس کے لیے سب سے زیادہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہی ہے۔

''خدا نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں سے بہشت کے ان باغوں کا وعدہ کرلیا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے بہشت عدن کے باغوں میں عمدہ عمدہ مکانات کا وعدہ بھی فرمایا ہے اور خدا کی خوشنودی ان سب سے بالاتر ہے۔ یہی تو زبردست کامیابی ہے۔'' (سورہ التوبہ۔ آیت ۷۲)

یقیناً ایک با ایمان انسان جو اپنی خواہشات سے آزادی پالے اور اپنا رشتہ خدائے تعالیٰ سے جوڑے وہ پروردگار عالم کو دوسری ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسری موجودات کو خدا کا مثل گردانتے ہیں اور جیسی محبت خدا سے رکھنی چاہئے ویسی ہی انسے رکھتے ہیں لیکن صاحبان ایمان ان سے کہیں بڑھ کر خدا سے محبت کرتے ہیں'' (سورہ البقرہ۔ آیت ۱۶۵)

اس خدا دوستی کی بہترین علامت یہی ہے کہ وہ انسان ہر وقت رضائے الٰہی کی راہ میں جان، بیوی بچوں، گھربار اور مال ودولت کی قربانی دینے کو تیار رہتا ہے کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی اسکے دل میں خداوند عالم کی جگہ نہیں لے سکتی۔

ابدیت سے اتصال:

صاحب ایمان انسان اپنے کو کسی بھی حالت میں تنہا یا بے یارو مددگار نہیں پاتا۔ اسکے برعکس وہ اپنے آپ کو لامحدود ابدیت اور بے حد باشکوہ عظمت اور بے حساب کمال سے وابستہ پاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایسا موجود پاتا ہے جو ابدیت سے وابستہ ہو اور اس کے ساتھ دائمی رشتہ رکھتا ہو۔ ایک ایسا موجود جو ہرگز مکمل طور پر فنا نہیں ہوتا اور حتیٰ کہ اسکی موت بھی درحقیقت اس کی ایک نئی زندگی کے دور کا آغاز ہے۔